مسلم پرسنل لا
بحث ونظر کے چند گوشے

از

امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ

فہرست

پیش لفظ

مسلم پرسنل لا قانون شریعت کا وہ حصہ ہے، جسکی جڑیں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ میں پیوست ہیں، اور انہیں قوانین سے مسلمانوں کا تہذیبی تشخص متعلق ہے، اسی لئے ہمارے بزرگوں نے شروع سے کوشش فرمائی کہ یہ قوانین پوری طرح محفوظ رہیں، برطانوی عہد میں اسی مقصد کیلئے شریعت اپلی کیشن ایکٹ پاس ہوا، جو علماء کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اسی مقصد کے لئے ۱۹۷۱ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا، بورڈ کی شکل میں تحفظ شریعت کی جو تحریک وجود میں آئی، امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں بنیادی کردار تھا، انہوں نے نہ صرف اپنی تقریروں کے ذریعہ امت کو جگایا، بلکہ اس موضوع کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اور بڑی بیش قیمت، نفع بخش اور آسان و عام فہم تحریریں بھی ان کے قلم سے وجود میں آئیں، جو اس مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت کو سمجھنے میں بے حد مفید ہیں۔

انہی تحریروں میں ایک پیش نظر رسالہ ''مسلم پرسنل لا ـــــــ بحث و نظر کے چند گوشے'' بھی ہے، اس رسالہ میں ان سوالات کا تشفی بخش اور واضح جواب دیا گیا ہے جو ایک حلقہ کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں، یہ اس سے پہلے بھی متعدد بار شائع ہو چکا ہے، لیکن ایک عرصہ سے نایاب تھا، اس رسالہ کی افادیت کی وجہ سے اس کا نیا ایڈیشن لایا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے امت کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.

۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ء
۱۵؍مارچ ۲۰۱۲ء

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

انسانی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو اس کی شخصی اور خاندانی زندگی ہے، جس کا دائرہ محدود ہے، اس میں انسان کے ذاتی معاملات آتے ہیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو اس کے اور اس کے خاندان کے درمیان معاملات اور حقوق وفرائض سے متعلق ہوتی ہیں، مثلاً ازدواجی تعلق، ماں باپ اور اولاد کا تعلق، وراثت، ایک دوسرے پر نفقہ اور حق پرورش وغیرہ۔ اس زندگی کو ہم شخصی اور خاندانی زندگی (Personal & Family life) کا عنوان دیتے ہیں، دوسری زندگی شہری اور اجتماعی زندگی ہے جس کا دائرہ خاندانی تعلقات کے حدود سے آگے بڑھ کر شہر، ملک اور بین الاقوامی امور تک کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے، اسے ہم اجتماعی اور شہری زندگی کا نام دیتے ہیں۔

اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ کے لئے (خواہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو، یا انفرادی زندگی سے) اصول بتائے ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں اور اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہا ہے۔

قرآن پاک کی تعلیمات، حضور اکرم ﷺ کی ہدایتوں اور صحابہ کرامؓ کی تشریحات

کی روشنی میں فقہائے اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کے لئے قوانین مرتب کر دئے ہیں، جنہیں اصطلاح میں ہم ''فقہ'' کہتے ہیں — یہ پوری ''فقہ'' قرآن وحدیث کی بنیادوں پر مرتب ہوئی ہے۔ اور جس طرح انفرادی زندگی کے قوانین پر عمل کرنا ہمارا فریضہ ہے، اسی طرح ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اجتماعی زندگی کے قوانین پر بھی عمل کریں۔

لیکن ہوا یہ کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا اور مسلم حکومتوں میں شخصی رجحان اور خدا کے حکم کے بجائے بادشاہ کی خواہش کے احترام کا جذبہ آتا گیا، اجتماعی قوانین جن کی روشنی میں حکومت چلائی جاتی تھی، عملاً ختم ہوتے رہے اور آہستہ آہستہ اسلام کے بہت سے اجتماعی قوانین کتابوں میں محفوظ ہوتے چلے گئے اور عملی زندگی سے اس کا واسطہ کم ہوتا گیا۔

ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ ہوا تو انہوں نے حکومت چلانے کے لئے اپنا قانون نافذ کیا، جس کے نتیجہ میں اسلام کا ''اجتماعی قانون زندگی'' غیر متحرک ہو کر محض کتابوں میں رہ گیا اور صرف ''انفرادی زندگی'' کے قوانین عملا باقی رہ گئے جس کے نفاذ کے لئے حسب سابق قاضی مقرر ہوئے بعد میں یہ قضاء کا نظام بھی ختم ہوگیا اور شخصی و عائلی زندگی سے متعلق اسلامی قوانین کے نفاذ کا اختیار بھی عام سرکاری عدالتوں کے حوالہ کر دیا گیا — انفرادی زندگی کے یہ اسلامی قوانین جنہیں برطانوی حکومت نے اپنے قانون میں جگہ دی، ''مسلم پرسنل لا'' کہلائے — اور ''مسلم پرسنل لا'' کا دائرہ صرف وراثت، نکاح، حضانت، خلع وطلاق، فسخ، مہر، نفقہ، اور اوقاف وغیرہ تک محدود رکھا گیا — گویا ''مسلم پرسنل لا'' کی اصطلاح انگریزوں کا عطیہ ہے

جو انفرادی اور خاندانی زندگی سے متعلق قوانین کا ایک حصہ ہے — یہی ہے ''مسلم پرسنل لا'' اب تک چلا آرہا ہے۔ یہ گفتگو اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ ''مسلم پرسنل لا'' قوانین اسلامی کا ہی ایک حصہ ہے جن کی تفصیلات فقہاء اسلام کے ہاتھوں مرتب ہوئی تھیں، اور جن کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے۔

نئے مسائل اور ان کا حل

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ''مسلم پرسنل لا'' دراصل شرع اسلامی کے ایک خاص حصہ کا نام ہے، جو مسلمانوں کی شخصی وعائلی زندگی پر نافذ ہے تو اب اس کا کتنا اور کہاں تک امکان باقی ہے کہ موجودہ دور کے علماء اس میں تبدیلی لائیں اور اسے بدل کر کوئی ایسا ''پرسنل لا'' مرتب کریں جو ایک خاص قسم کے دانشور طبقہ کے مزاج کے موافق ہو، اس طرح کی تبدیلی حکومت کی خواہش کے مطابق تو ہوسکتی ہے، اسلام کے دستور کے مطابق نہیں ہوسکتی۔

یہ صحیح ہے کہ جدید ترقی نے معاشرہ کو بالکل نئی صورت حال سے دوچار کردیا ہے۔ یہ نئی صورت حال یقیناً اسلامی ہدایت کا طلب گار رہے، علماء کو نئے مسائل کا اسلامی حل دریافت کرنا ہوگا اور ان نئے سوالات کا جواب دینا ہوگا جن پر فقہ کی قدیم کتابوں میں بحث نہیں کی گئی ہے لیکن ایک تو یہ کہ ایسے مسائل بہت زیادہ نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ ایسے مسائل کی تعداد جتنی بھی ہو، ان کا حل حکومت کی متعین کردہ راہوں پر تلاش نہیں کیا جاسکتا، نہ ان معاملات میں مخصوص قسم کے دانشوروں کے مزاج کو بنیادی حیثیت دی جاسکتی ہے، بلکہ ان کے لئے وہی طریقہ اپنانا ہوگا جو طریقہ کار ماضی میں علماء کرام

نے نئے نئے مسائل کے حل کے لئے اختیار کیا تھا، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کو بنیادی حیثیت دینا ہوگی، اصول فقہ کو سامنے رکھنا ہوگا، اور فقہ اسلامی کے عظیم خزانہ سے مدد لینی ہوگی، اس طرح نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے اور اسلام ان کا حل بھی پیش کرتا رہے گا۔(۱)

کیا حکومت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی چاہتی ہے؟

حالات اور واقعات کی جو ترتیب ادھر چند برسوں میں سامنے آئی ہے، انہیں دیکھتے ہوئے حکومت کے ارادوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

جب ہندوستان آزاد ہوا اور اس ملک کا دستور بنا تو اس ملک کو ایک ''جمہوری ملک'' بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس میں فرد کے ذاتی رجحانات، افکار وعقائد، مذہب وثقافت اور تہذیب وتمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور ایک عنوان ''سیکولرزم'' کا اختیار کیا گیا جس کی وضاحت یہ کی گئی کہ ہندوستان کا نظام حکومت کسی خاص مذہب کا پابند نہیں ہوگا، اور ہر شہری کو اپنے طور پر مذہبی امور میں آزادی حاصل رہے گی۔ اس طرح ایک مذہب کے ذریعہ دوسرے مذہب کا استحصال نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک خوش آئند تصور تھا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ہندوستان کے جمہوری نظام حکومت کے تحت سکون کی زندگی گذاریں گے، لیکن

(۱) اس موضوع سے واقفیت کے لئے ملاحظہ فرمایئے ''قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل''۔

ارباب سیاست نے اب ''سیکولرزم'' کا مطلب ''رواداری'' اور ''غیر مذہبی'' کے بجائے ''مذہب کی نفی'' طے کرکے ایسے معاشرہ کے قیام کی جدوجہد شروع کردی ہے جس میں مذہب کے اثرات ختم ہوجائیں۔

یہی ذہنیت مسلم پرسنل لا کی جگہ ''یکساں شہری قانون'' (Uniform Civil Code) نافذ کرانا چاہتی ہے......اوراس سلسلہ میں دستور ہند کے رہنمائے اصول (Directive Principal) کی دفعہ ۴۴ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ''ہندوستان میں یکساں شہری قانون نافذ کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے۔ جس وقت دستور ہند بنا تھا، رہنما اصول کی یہ دفعہ زیر بحث آئی تھی اس وقت مسلم زعماء کو اطمینان دلا یا گیا تھا کہ دستور ہند کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی دفعات کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کردیا گیا ہے۔ اور بنیادی حقوق کی دفعات رہنما اصول سے زیادہ اہم ہیں — یہ ساری بحث دستور ساز اسمبلی کی پروسیڈنگ میں موجود ہے!

عدالتیں اب بھی رہنما اصولوں کے مقابلہ میں بنیادی حقوق کو زیادہ اہمیت دیتی رہی ہیں لیکن سیاسی رہنما مختلف عوامل کی وجہ سے رہنما اصولوں پر زیادہ زور دیتے ہیں اوران رہنما اصولوں کے سہارے ''مسلم پرسنل لا'' میں ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ کبھی واضح اور کبھی مبہم الفاظ میں کیا کرتے ہیں۔

حکومت نے اب تک براہِ راست تو نہیں لیکن بعض عمومی قوانین کے ذریعہ ''مسلم پرسنل لا'' میں تبدیلی کی کوشش کی ہے اور کچھ ایسے احکام اور ہدایتیں جاری کی جاچکی ہیں جن کے باعث ملک میں مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ ''مسلم پرسنل لا'' پر عمل نہیں

کرسکتا — مثلاً یہ حکم جاری کیا گیا کہ حکومت کا کوئی ملازم اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا، اس حکم سے مسلمان مستثنیٰ نہیں ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعدد ازدواج جو ''مسلم پرسنل لا'' کا اہم مسئلہ ہے، کو حکومت نے مسلمانوں کے ایک حلقہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا، اور اب آسانی کے ساتھ اس حلقہ کو وسیع کیا جاسکتا ہے۔ اس حکم کو فیکٹریوں، مختلف قسم کے نیم سرکاری اداروں اور دوسرے سیکٹروں میں کام کرنے والوں پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔

اسی سلسلہ کا ایک اہم قدم متبنّیٰ بل (Adoption of Children Bill) کی شکل میں اٹھایا گیا (۱) کوشش کی گئی کہ مساوی قانون سازی کے ذریعہ عہد جاہلیت کی ایک غلط رسم کو زندہ کیا جائے، اور اسلامی قانون وراثت اور قانون نکاح کو مجروح

---

(۱) آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس ''بل'' کے خلاف آواز بلند کی جس کا اثر حکومت پر ہوا، اور حکومت نے اس بل کے متعلق رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کردیا، بورڈ نے متبنّیٰ بل کے سلسلے میں عام مسلمانوں کو صحیح صورت حال سے واقف کرانے کے لئے اردو اور انگریزی میں رسالے شائع کئے، اخبارات میں مضامین لکھوائے، بورڈ کے معزز ارکان نے جلسوں اور تقریروں میں اسے موضوع بحث بنایا، اور جب پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی نے ملک کا دورہ کرکے رائے عامہ جاننے کی کوشش کی تو بورڈ کے ارکان اور پڑھے لکھے مسلمانوں نے ہر مقام پر اس بل کے خلاف شہادت دی، پارلیمنٹ کی کسی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے کبھی اتنے زیادہ افراد نے اتنے واضح اور مدلل طور پر شہادت نہیں دی تھی۔ مسلمانوں کی اتنی واضح رائے سامنے آنے کے باوجود اس کمیٹی کی نہ فراموش کی جانے والی زیادتی ہے کہ اس نے اس بل کی حمایت میں اپنی رائے دی۔ کمیٹی کے تین مسلم ممبران نے مشترکہ طور پر بل کے خلاف نوٹ لکھا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے، حکومت نے مسلمانوں کی رائے عامہ کے پیش نظر ''بل'' کو سرد خانے میں ڈال دیا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیا جائے (۱)۔ اس بل میں تبنیت کو اختیاری اور انفرادی فعل قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے بظاہر اس کا ٹکراؤ ''مسلم پرسنل لا'' سے نہیں معلوم ہوتا، لیکن اس کے اثرات بہت دور رس تھے، جس کی وضاحت خود وزیر قانون نے پارلیمنٹ میں ان الفاظ میں کی تھی ''یہ مسودہ قانون یکساں سول کوڈ کی طرف مضبوط قدم ہے''۔

اس طرح کے اقدامات ہمیں یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں حکومت کے ذمہ داروں اور سیاسی رہنماؤں کی نیت صاف نہیں رہی ہے، اور مفکرین قانون یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں (۲)۔

یکساں سول کوڈ

یکساں سول کوڈ جیسا بھی ہو، بہر حال غیر اسلامی ہوگا (۳) خدانخواستہ اگر یکساں

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) ۱۹۷۸ء میں یہ بل پھر راجیہ سبھا میں آیا، اس وقت وزیر قانون مسٹر شانتی بھوشن نے یہ اعلان کیا کہ ''یہ بل مسلمانوں کے عام جذبات کے خلاف ہے اس لئے ''بل'' کو واپس لیا جاتا ہے'' اس طرح ایک غیر اسلامی قانون سے مسلمان محفوظ رہے۔ متبنّٰی بل کے سلسلہ میں بورڈ کی یہ دوسری کامیابی تھی۔ اب پھر چند نام نہاد مصلحین اور ''بچوں کے ہمدردوں'' کی طرف سے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ بل دوبارہ پیش کیا جائے۔

(۱) تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے ''متبنّٰی بل ۱۹۷۲ء- ایک جائزہ''۔

(۲) مزید واقفیت کے لئے ملاحظہ فرمایئے ''مسلم پرسنل لا کا مسئلہ نئے مرحلہ میں''۔

(۳) یہاں اس منطقی امکان سے بحث نہیں کہ اگر اسلامی قوانین شخصی کو ملک کے تمام باشندوں پر نافذ کر دیا جائے تو یکساں سول کوڈ کے باوجود ''مسلم پرسنل لا'' پورے پورے طور پر باقی رہ جائے گا۔ کیوں کہ یہاں ایسے کسی اقدام کی عملاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے جذبات بھی اس سے مجروح ہوں گے اور اس طرح کی شخصی اور عائلی زندگی میں مداخلت شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

سول کوڈ لایا گیا تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی بڑی الجھنوں میں مبتلا ہو جائے گی اور بہت سے معاملوں میں ہمیں قانون کے ذریعہ مجبور کیا جائے گا کہ ہم جائز چیزوں کو چھوڑ دیں اور حرام کو قبول کر لیں (۱)۔

ہندوستان کے قانون سازوں کا ذہن مغربی سانچوں میں ڈھلا ہوا ہے اور قانون بناتے وقت ان کے سامنے کسی مغربی ملک کا کوئی نہ کوئی قانون رہا کرتا ہے، اس لئے یکساں سول کوڈ پورے طور پر مغربی طرز کا ہوگا، جس کی ایک مثال ''ہندو کوڈ'' ہے، میرا خیال ہے کہ اگر حکومت نے یہاں یکساں سول کوڈ بنایا تو وہ موجودہ ہندو کوڈ کو یونیفارم سول کوڈ کا نام دے گی، اسے تھوڑی بہت ظاہری تبدیلی کے ساتھ سول کوڈ بنا دیا جائے گا۔ ہندو کوڈ کی بنیاد ہندو مذہب کی تعلیمات نہیں بلکہ مغربی نظریات ہیں، مثلاً ہندو کوڈ کی رو سے شادی کے بعد تین سال تک میاں و بیوی میں علیحدگی کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور دونوں میں سے کوئی اگر علیحدگی چاہے تو اسے شادی کے بعد کم سے کم تین سال تک انتظار کرنا ہوگا۔ ہندو کوڈ نے طلاق کا اختیار بھی مردوں سے ختم کر دیا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ مرد اور عورت میں سے جو بھی علیحدگی چاہے عدالت میں درخواست دے، عدالت اگر علیحدگی کے مطالبہ کو درست سمجھے گی تو علیحدگی کرا دے گی۔ یہ سسٹم خدا کے بتائے ہوئے قانون سے صاف طور پر ٹکراتا ہے۔ شریعت (مسلم پرسنل لا) نے اس کا پابند نہیں کیا ہے کہ نباہ ہو رہا ہو یا نہیں، بہر حال تین سال تک میاں و بیوی ایک دوسرے کو برداشت کرتے رہیں، شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، خلع اور فسخ کا حق عورت کے لئے مخصوص کیا ہے اس لئے اس طرح کے قوانین ایک مسلمان کی عائلی زندگی کے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔

---

(۱) تفصیلی واقفیت کے لئے ملاحظہ فرمایئے ''یونیفارم سول کوڈ'' شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ہندوکوڈ میں وراثت کے متعلق بھی دفعات موجود ہیں۔ یہ دفعات بھی اسلام کے قانون وراثت سے ٹکراتی ہیں۔ مثلاً ہندوکوڈ نے ماں، بیوی، بیٹا اور بیٹی کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ اگر مرنے والے کے یہ چاروں وارث موجود ہوں تو جائداد برابر تقسیم کی جائے گی اور سبھوں کو برابر حصہ ملے گا۔ جب کہ اسلام نے ان چاروں کے لئے چار الگ درجات متعین کئے ہیں اور ہر ایک کے حصہ کی مقدار بتادی ہے...... اس طرح ہندوکوڈ کا وہ پورا حصہ جو میراث سے متعلق ہے اسلام کے قانون میراث سے بالکل الگ ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو اسلامی قانون کے لحاظ سے حقدار یا زیادہ کے حقدار ہوا کرتے ہیں ہندوکوڈ کی نظر میں ان کا حصہ کم ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اور بہت سے وہ لوگ جو اسلامی قانون کے لحاظ سے کم کے مستحق ہیں یا جنہیں کچھ نہیں ملنا چاہئے وہ ہندوکوڈ کے مطابق زیادہ پاسکتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طور پر کچھ لوگوں کی حق تلفی اور کچھ لوگوں کو بیجا نفع پہونچتا ہے جو غلط ہے (۱)۔

دونوں قوانین کے درمیان جو فرق ہے اس کی یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مغرب سے برآمد کیا ہوا یہ ہندوکوڈ مسلم پرسنل لا سے بالکل الگ اور مخالف

(۱) اسلامی تعلیمات کے جو عالمگیر اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا کی مختلف قوموں اور دستوروں میں وراثت کا نظام جاری کیا گیا ہے، اور مرنے والے کے مال کو خاندان کے مختلف افراد میں تقسیم کرنے کا تخیل ابھرا ہے، ہندوستان میں بھی ماضی میں تقسیم وراثت کا تخیل موجود نہیں تھا، اسلامی قانون کی افادیت اور تقسیم دولت کے اصول نے پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن کو متاثر کیا، اور ان میں وراثت کے قانون کو مرتب کرنے کی تحریک ہوئی، لیکن جب انہوں نے قانون سازی کی تو اساتذہ مغرب کی نقالی کی، جب کہ خود مغرب میں یہ تخیل اسلامی ہدایات کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا، جسے اساتذہ مغرب نے اپنے انداز پر ڈھال لیا۔

قانون ہے۔ یکساں سول کوڈ موجودہ ہندوکوڈ سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا اس لئے اگر مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں سول کوڈ نافذ کیا گیا، تو مسلمانوں کی عائلی زندگی کی پوری عمارت ڈھہ جائے گی۔

مسلم پرسنل لا اور مسلم ممالک

یہ بات بار بار دہرائی گئی کہ جب مسلم ممالک میں مسلم پرسنل لا کو ختم کیا جاسکتا ہے تو ہندوستان میں تبدیلی کیوں غلط ہوگی۔ خاص کر وہ لوگ جو ہر معاملے میں پاکستان کے نام سے بدکتے ہیں، اس معاملہ میں پاکستان کی دہائی دے کر ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستانی مسلمانوں کی پیروی کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور حکومت پاکستان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔

''مسلم پرسنل لا'' کی تنسیخ یا تبدیلی کی یہ دلیل بظاہر مضبوط معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ جو قرآن وسنت کے خلاف ہے، وہ غلط ہے، خواہ کہیں ہورہا ہو، کسی ''مسلم اسٹیٹ'' کی غلط کارروائی ''اسلامی قانون'' نہیں کہلاسکتی ہے (۱) اور نہ اس بنیاد پر اسلامی قانون میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ جو چیز قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح ہے اسے ہی صحیح اور اسلام کے مطابق کہا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلم ممالک میں ''پرسنل لا'' کی تبدیلی کا جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے وہ حقیقت سے دور ہے۔ عام طور پر مسلم ممالک میں ''مسلم پرسنل لا'' نافذ

(۱) جس طرح ''عوامی جمہوریہ چین'' میں جمہوریت کے نام پر جو کارروائی کی جاتی رہی ہے، انہیں دنیا کے جمہوری ممالک مشعل راہ نہیں سمجھتے اور نہ ''جمہوریہ ہندوستان'' انہیں قبول کرنے کو تیار ہے۔

ہے اور وہاں کے لوگ شریعت کے مطابق اپنے عائلی مسائل حل کرتے ہیں۔صرف چند ممالک ایسے ہیں جہاں تبدیلی ہوئی ہے۔ ماضی بعید میں تبدیلی کی اہم مثال ''ترکی'' ہے جہاں ۱۹۲۶ء میں نہ صرف ''مسلم پرسنل لا'' کو ختم کرکے انفرادی زندگی کے نظام کو درہم برہم کر دیا گیا۔انتہا یہ ہوئی کہ انگریزی لباس کو قانونی شکل دی گئی، عربی زبان کا استعمال ختم کر دیا گیا اور اسلامی عبادتوں پر بھی ہاتھ صاف کیا گیا اور لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ مذہب و معاشرہ کے جانے پہچانے طریقوں سے الگ ہوجائیں۔اس قسم کے باطل قوانین کی مخالفت کرنے والے سیکڑوں علماء شہید کر دئے گئے اور توپوں کے سائے میں اسلامی قوانین کو مٹایا گیا۔ترک علماء اور عوام نے اس طویل عرصہ میں کبھی بھی ان قوانین کو پسند نہیں کیا اور آخرکار ترکی حکومت قوانین بدلنے پر مجبور ہوئی اور آہستہ آہستہ ترکی حکومت پھر اسلام کے قریب آ رہی ہے۔

ماضی قریب میں کچھ تبدیلیاں پاکستان میں لائی گئیں جس کا برابر ذکر خیر ہوتا ہے پاکستان میں جو کچھ ہوا اس کی ہمیں خبر ہے اگرچہ وہاں کی تبدیلیوں کا زیادہ تر تعلق انتظامی امور سے ہے،لیکن یہ صحیح ہے کہ متعدد تبدیلیاں قانون شریعت کے خلاف ہوئی ہیں، اور نہ صرف ہم، بلکہ پاکستان کے لوگ بھی اسے غلط سمجھتے ہیں۔جس وقت یہ تبدیلی لائی گئی وہاں کے علماء نے زبردست احتجاج کیا اور عوام نے علماء کا ساتھ دیا،مگر پاکستان کی فوجی حکومت نے احتجاج کرنے والوں کو جیل بھیج کر ''مسلم پرسنل لا'' کے کچھ حصوں کو بدل ڈالا۔اگر ہندوستان کی حکومت پاکستان کو سامنے رکھ کر یا ترکی کو مثال بناتے ہوئے ''مسلم پرسنل لا'' کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان میں بھی ان دونوں ملکوں کی طرح آمرانہ اور فوجی نظام

اپنایا جا رہا ہے۔

وہ لوگ جو اس مسئلہ میں بار بار پاکستان کا نام لیتے ہیں،ان کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ پاکستان کی فوجی حکومت کا طرز عمل ہندوستان کی حکومت کے لئے دلیل فراہم کرسکتا ہے،تو پھر پاکستان کی جمہوری حکومت کا طرز عمل اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ہندوستان کی جمہوری حکومت اسے اپنائے ...... پاکستان کے صوبہ سرحد میں چند ہدایتیں دی گئی تھیں۔مثلاً زنا کرنے والوں اور شراب پینے والوں کو سزا، نائٹ کلبوں اور ڈانس پر پابندی، رمضان المبارک کا احترام،عملہ کے لئے نماز کی پابندی،عورتوں کو چست اور جاذب نظر لباس پہن کر نکلنے کی ممانعت اور اسی انداز کی کچھ تبدیلیاں، جو پاکستان کے ایک صوبہ میں لائی گئیں، کیا پاکستان کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دینے والے اس نقش کو بھی اپنانے کا مشورہ دیں گے؟ اور ان کی یہ کوشش ہوگی کہ ہندوستان یا اس کے کسی صوبہ میں ایسی ہدایتیں دی جائیں؟

ایک چیز اور بھی لائق توجہ ہے...... مسلم ممالک نے پرسنل لا میں تبدیلی کی ہے یا نہیں؟ اور کی ہے تو کس طرح کی اور کس حد تک؟ اس بحث میں پڑنے سے پہلے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ مسلم ممالک نے اپنے ملک میں آباد مذہبی اقلیتوں کے دینی امور میں کوئی مداخلت کی ہے یا نہیں؟ اس کا جائزہ لیا جائے۔ہندوستانی مسلمان مذہبی اقلیت ہیں،اس لئے مذہبی امور میں اگر مسلم ممالک کی کوئی مثال سامنے رکھی جاسکتی ہے تو اس کے لئے سب سے بہترین ان ممالک کی اقلیتی صورت حال ہوسکتی ہے۔میرے علم کے مطابق کسی بھی مسلم ملک نے اپنے یہاں کی مذہبی اقلیت کے دینی اُمور میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی ہے، نہ پرسنل لا کو ہاتھ لگایا ہے۔ایسے بھی مسلم ممالک ہیں

جن کے پڑوس میں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی حکومت ہے اور دونوں میں ایسے شدید ترین اختلافات بھی موجود ہیں جن کی تہ میں کسی نہ کسی درجہ میں مذہبی جذبہ بھی کارفرما ہے۔لیکن اس ملک میں پڑوسی ملک کے ہم مذہب، اقلیت کی شکل میں آباد ہیں اور وہ اپنی دینی زندگی اور پرسنل لا کو محفوظ سمجھتے ہیں اور اس پر آزادی کے ساتھ عمل کرتے ہیں......مصر میں یہودیوں کی مذہبی آزادی اس کی واضح مثال ہے!

مُعاشرتی دشواریاں

کہاجاتا ہے کہ ’’مُسلم پرسنل لا‘‘ پر عمل کرنے سے معاشرتی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں، اور مسلم معاشرہ ان قوانین کی وجہ سے کراہ اُٹھتا ہے۔خاص طریقہ پر طلاق اور تعدد ازدواج ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کی زندگی ہر وقت خطرات میں گھری رہتی ہے اور طلاق کی ننگی تلوار عورت کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلم پرسنل لا کی رُو سے مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور اسے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔لیکن یہ قانون کی خامی نہیں ہے نہ کوئی ایسا جُرم، جس کے تذکرہ سے فضا گونج جائے ......شریعت نے شوہر اور بیوی میں علیٰحدگی کی مختلف شکلیں بتائی ہیں، مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور عورتوں کے لئے خلع اور فسخ نکاح کی راہ بتائی گئی ہے...... یہ صحیح ہے کہ مرد اپنے اس حق کا براہ راست استعمال کرسکتا ہے اور عورتیں اپنا حق بالواسطہ استعمال کرتی ہیں۔مرد اور عورت کے حقوق میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی ذمہ داریوں کی نوعیت جُدا جُدا ہے، نکاح کے بعد مرد پر جتنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، عورتوں پر اتنی ذمہ داری نہیں رکھی گئی ہے۔مرد

پر بیوی اور بچوں کے اخراجات کے علاوہ مہر کی شکل میں ایک رقم بھی واجب ہوتی ہے۔علیٰحدگی کا فیصلہ اگر بلاواسطہ عورتوں کے بھی حوالہ کیا جاتا تو عورتیں اپنے اس حق کو استعمال کرتیں جس کے نتیجہ میں عورتوں پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی مگر مہر کی رقم کی فوری ادائیگی اور بچوں کی کفالت اور تربیت کا نظم مرد کو کرنا پڑتا اور مرد بلاوجہ دشواریوں میں مبتلا ہوتا، اس لئے شریعت نے علیٰحدگی کا براہ راست اختیار مرد کو دیا تاکہ اپنے حق کو استعمال کرتے وقت وہ ان اخراجات اور دشواریوں کی فہرست کو بھی سامنے رکھے اور کمزور اسباب کی بنیاد پر یا بلاسبب بیوی کو علیٰحدہ نہ کرے۔

ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ گرچہ طلاق کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے مگر اسے ’’ابغض المباحات‘‘ (جائز چیزوں میں سب سے زیادہ کریہہ) قرار دیا ہے اور یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ جب نباہ ہونے کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو بہت سوچ سمجھ کر طلاق دینی چاہیئے اور ایک ہی مرتبہ تین طلاق نہیں دینی چاہیئے۔شریعت نے تفصیل کے ساتھ طلاق کا طریقہ بتایا ہے، اس طریقہ پر عمل کرنے کے بعد اس کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ مرد اشتعال کے نتیجے میں یا جذبات کی رو میں طلاق دیدے۔شریعت کی ہدایت کے مطابق دی ہوئی طلاق ایک عاقلانہ اور ٹھنڈا فیصلہ ہی ہوسکتی ہے، وہ ایسی تلوار ہرگز نہیں ثابت ہوسکتی جو ہمیشہ عورت کے سر پر لٹکتی رہے لیکن اگر کوئی مرد، شریعت کی ان ہدایات کے باوجود وقتی اشتعال کے نتیجہ میں طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق واقع ہوگی۔ہم اسے قانون کی خرابی نہیں کہہ سکتے۔یہ قانونی حق کا غلط استعمال ہے، اس غلط استعمال کو روکنے کیلئے ذہنی تربیت کی ضرورت ہے نہ کہ قانون بدلنے کی!

شریعت نے عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے

اس مسئلہ میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ شریعت نے عورتوں کے احساسات کی رعایت نہیں کی......لیکن اگر عائلی زندگی کے پورے نظام کا جائزہ لیا جائے اور شریعت نے عصمت وعفت کی جیسی تعلیم دی اسے پیش نظر رکھا جائے تو یہ کوئی غیر منطقی چیز نظر نہیں آئے گی۔ مغرب نے دنیا کو جس معاشرہ سے روشناس کرایا ہے، اس میں عصمت وعفت جیسے الفاظ کی معنویت تلاش کرنا مشکل ہے اور اس معاشرہ کو سامنے رکھ کر تعدد ازدواج جیسے قانون کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، لیکن اسلامی معاشرہ کے پیش نظر اس قانون کی ضرورت پڑسکتی ہے اور مرد کے ایسے حالات ہوسکتے ہیں کہ وہ صاف ستھری زندگی گذارنے کیلئے دوسرے نکاح کی ضرورت محسوس کرے۔(۱)

مسلم پرسنل لا اور دُوسرے ملکی قوانین

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ملکی قوانین بھی اسلام کا ایک حصہ ہیں اور وہ بھی مسلم پرسنل لا کی طرح قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ مثلاً زانی کو سنگسار کرنا یا کوڑے مارنا، چور کا ہاتھ کاٹنا، یا شراب پینے والے کو درے لگانا وغیرہ ملکی قوانین ہیں اور شریعت محمدیؐ کا اہم حصہ ہیں۔ آج یہ قوانین ہندوستان میں رائج نہیں ہیں۔ لیکن اس کے رائج نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علماء یا مسلمانوں نے اس تبدیلی کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرلیا ہے، بلکہ یہ تبدیلی جبر واستبداد کی فضا اور ایسے شاہی نظام میں ہوئی تھی جس میں زبان کھولنا کُھلے طور پر جرم تھا اور تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تبدیلی کے خلاف بھی علماء نے آوازیں بلند کی تھیں، لیکن یہ تبدیلی ان پر

(۱) ویسے حکومت ہند کے شائع کردہ اعداد وشمار کے لحاظ سے تعدد ازدواج کا تناسب مسلمانوں کے مقابلہ ہندوؤں میں زیادہ ہے۔

لادی گئی اور انہیں مجبوراً خاموش ہوجانا پڑا تھا۔ اور اب بھی پورے یقین کیساتھ کہتا ہوں کہ کسی بھی ملک کا معاشرہ صاف ستھرا اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کے قوانین، اسلامی احکام کی روشنی میں مرتب کئے جائیں یہ کوئی قدامت پسندی ہرگز نہیں، حقیقت پسندی ہے، انسان کو نہ قدامت پسند ہونا چاہئے نہ جدت پسند، بلکہ حقیقت پسند اور حق پرست ہونا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کے ملکی قوانین کا نافذ نہ ہونا ایک تکلیف دہ حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا سہارا لے کر رائج اسلامی قوانین پر بھی عمل کرنے سے روک دیا جائے۔ اگر کسی شخص کو مجبور کرکے کسی زمانہ میں کسی اچھی چیز سے روک دیا گیا تھا تو اس سے دوسری اچھی چیزوں کے بند کرنے کا جواز نہیں پیدا ہوتا۔ ایمان داری کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پچھلی بند کی ہوئی چیز بھی کھولدی جائے۔

یہاں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ عائلی قوانین کے مقابلہ میں عام ملکی قوانین کے نفاذ کی زیادہ ذمہ داری حکومت کی ہے۔ ملک میں امن وامان قائم رکھنا، غلط عناصر سے معاشرہ کو بچانا، جرائم کو مٹانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ملک کی جمہوری حکومت، صالح معاشرے کی تعمیر میں کیا رول ادا کرتی ہے اسلام نے عام ملکی قوانین سے متعلق بھی ہدایتیں دی ہیں، لیکن ان کا نفاذ حکومت کی قوت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ان کے نفاذ کی ذمہ داری عام مسلمانوں پر نہیں اسلامی حکومت پر ہے!

عائلی قوانین کا معاملہ، عام ملکی قوانین سے بڑی حد تک مختلف ہے، عائلی قوانین دو فرد یا دو خاندان کے چند افراد سے متعلق ہوتے ہیں، اس لئے حکومت کو ان

معاملات میں دخل اندازی کے مواقع کم ہیں، اور بحیثیت مُسلمان متعلق افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی ہدایات کی روشنی میں عائلی زندگی گذاریں، اس لئے اسلام کے عائلی قوانین ان تمام جگہوں پر نافذ ہوں گے، جہاں مسلمان آباد ہیں چاہے وہاں اسلامی حکومت قائم ہو یا نہ ہو۔!

یہ چیز بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسلام کے عائلی قوانین کے مقابلہ میں اگر دوسرے قوانین بنائے جائیں گے اور انہیں نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو مسلمانوں کی زندگی بڑی مشکلات سے دوچار ہوجائے گی، ایک طرف امن پسند شہری کی حیثیت سے مسلمان ان قوانین کا احترام کرنا چاہیں گے تو دوسری طرف اسلامی احکام انہیں پابند بنائیں گے کہ وہ مخصوص طریقہ کار اپنایا جائے جسے اسلام نے متعین کیا ہے اس طرح مسلمانوں کی داخلی زندگی ہر مرحلہ میں ملکی عائلی قوانین اور اسلامی عائلی قوانین کے درمیان ٹکراتی رہے گی۔ اور وہ مجبور ہوں گے کہ ملکی عائلی قوانین کونظر انداز کر کے اسلامی قوانین کی پابندی کریں اگر ایسا نہ کیا گیا تو حرام وحلال، جائز و ناجائز کا فرق ختم ہوجائے گا۔(۱)

---

(۱) بعض ممالک نے طلاق کے اثر انداز ہونے کے لئے عدالت کی توثیق کی شرط لگادی اور یہ قانون بنادیا گیا کہ صرف وہی طلاق معتبر ہوگی جس کی ضرورت عدالت بھی محسوس کرے اور زوجین کے حالات کے پیش نظر دی ہوئی طلاق کی توثیق کردے۔ اس قانون پر مشہور اور عالمی ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ (مصر) نے اپنے ایک اجلاس (منعقدہ قاہرہ اکتوبر ۱۹۶۶ء) میں یہ تجویز منظور کی کہ ''عدالت خواہ کچھ بھی فیصلہ کرے شوہر کی طرف سے دی گئی طلاق شرعاً نافذ ہوگی۔''

مسلمانوں کا مضبوط موقف

اسلام، مسلمانوں کی زندگی کا پرائیوٹ معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس میں زندگی کے تمام گوشوں کے لئے رہنمائی موجود ہے۔ اور ایمان کا تقاضہ ہے کہ ان تمام ہدایتوں اور رہنمائی کو مانیں اور اسے محفوظ رکھیں اور ممکن حد تک اسے اپنی زندگی میں نافذ کریں۔ علماء اور ہندوستان کے مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی مخالف ہے، اور جو لوگ تبدیلی کے حق میں ہیں ان کی تعداد لاکھ میں ایک بھی نہیں ہے، علماء اور عام مسلمانوں کے غیر معمولی اجتماع کی وجہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں کی مستقل تہذیب اور عائلی نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی انفرادی، عائلی اور سماجی زندگی سے مسلم پرسنل لا کا بہت گہرا تعلق ہے اور انہیں قوانین کی بنیاد پر ان کی انفرادی اور سماجی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ اگر مسلم پرسنل لا ختم ہوجائے تو نہ صرف یہ کہ اسلامی قوانین عملاً عبادات کے دائرہ میں سمٹ کر رہ جائیں گے بلکہ سماجی روح کا بھی خاتمہ ہوجائے گا اور وہ جڑ ہی خشک ہوجائے گی جس کے پتوں کا مخصوص رنگ اسے دوسرے درختوں سے ممتاز کرتا ہے۔

اور سب سے اہم وجہ مسلمانوں کا یہ یقین ہیکہ مسلم پرسنل لا کا تعلق دین وشریعت سے ہے اور اس کی جڑیں قرآن وحدیث میں پیوست ہیں۔ خدا کے فرمان، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں فقہائے کرام نے زندگی سے متعلق قوانین مرتب کئے، یہ قوانین ہمارا قیمتی دینی اور علمی سرمایہ ہیں۔ ان قوانین کا ایک حصہ جو عائلی اور انفرادی زندگی سے متعلق ہے مسلم پرسنل لا کہلاتا ہے۔ مسلمانوں اور علماء کا ایمانی جذبہ

اسے برداشت نہیں کرتا کہ اسلامی احکام میں تبدیلی کی جائے۔

ایک قابل قدر کوشش

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن منعقدہ بمبئی، مسلمانان ہند کی متحدہ کوششوں کا نہایت اہم اور قیمتی حصہ ہے۔ اس کنونشن نے جہاں باہمی اختلافات کو اتحاد کا رخ دیا ہے اور آپس کے فاصلوں کو قُرب سے بدلا ہے۔ وہیں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مسلم پیشوا اور رہنما اپنے جزوی اور فروعی اختلافات کو بھول کر کسی بھی اہم مسئلہ پر جمع ہوسکتے ہیں اور پورے ملک کے مسلمانوں کو غور وفکر کا ایک نیا رخ دے سکتے ہیں۔......حکومت نے خاموشی کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے کہ مسلم پرسنل لا وہ مسئلہ ہے جس پر ملت کے تمام طبقے ایک ہیں اور ان میں کوئی بھی جماعت ایسی نہیں ہے جو مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کو برداشت کرسکتی ہو(۱)

---

(۱) مسلمانوں کے اتحاد اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جدوجہد کے نتیجہ میں نہ صرف ''متبنیٰ بل'' کا معاملہ ختم ہوا بلکہ کریمنل پروسیجر کوڈ کی ترمیم شدہ دفعہ ۱۲۵ میں بھی حکومت نے بورڈ کے ذمہ داروں سے گفتگو کے بعد ترمیم کی۔ ان دفعات کے ذریعہ قانون یہ بنایا گیا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی، تو دین مہر اور واجبات عدت کے علاوہ مطلقہ عورت کو تا نکاح ثانی اور نکاح نہ کرنے کی شکل میں تاحیات نفقہ بھی دینا ہوگا۔ اس طرح کے نفقہ کی کوئی ذمہ داری شریعت اسلامیہ نے طلاق کے بعد مردوں پر عائد نہیں کی ہے۔ اور اس طرح کے نفقہ کو لازم قرار دینا مردوں کے ساتھ زیادتی تھی۔ اس لئے مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایسی قانون سازی کے خلاف جدوجہد کی، جس کے نتیجہ میں دین مہر اور واجبات عدت کے سوا کسی نفقہ کی ذمہ داری مرد سے ختم کردی گئی۔

(دیکھئے CR, Pc, 127, B) مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے!۔

مسلمانوں کے رخ کو دیکھتے ہوئے حکومت کے ذمہ داروں نے متعدد بار یقین دہانی کی ہے کہ ''مسلم پرسنل لا میں اُس وقت تک ترمیم نہ ہوگی جب تک مسلمان نہ چاہیں'' مگر امت کے دینی اُمور مستقبل کے وعدوں پر چھوڑے نہیں جاسکتے اور نہ ملت کی کشتی ان کے سہارے چلائی جاسکتی ہے نہ ایسی یقین دہانی پر تکیہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کیلئے خود مسلمانوں کی مسلسل بیداری، اتحاد اور فراست ایمانی کے ساتھ مسائل کا حل ڈھونڈنے کے عزم کی ضرورت ہے، اور کنونشن (بمبئی) کے نتیجہ میں قائم ہونے والے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ تعاون کی ضرورت ہے۔ تاکہ مسلمانوں کا متحدہ جذبہ، مشترکہ آواز اور متفقہ مطالبہ، ایک متعین پروگرام اور واضح طریق عمل کی شکل میں سامنے رہے اور پورا ملک یہ محسوس کرے کہ بورڈ، مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مضبوط ادارہ ہے۔

منت اللہ رحمانی

خانقاہ مونگیر، بہار

جنوری ۱۹۷۹ء